© rasailojaraid.com

شاہ جیؒ کی سیاسی زندگی کا آغاز
(اسباب و عوامل)

قائد احرار مولانا مظہر علی اظہر

جنگ عظیم کے دوران سیاسی جلسوں اور سرگرمیوں کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لالہ لاجپت رائے کے مانڈلے میں نظر بند کئے جانے کے بعد ۱۹۰۷ء کے زمانے میں ہی سیاسی سرگرمیاں ختم ہو چکی تھیں۔ سردار اجیت سنگھ جیسے لوگ ملک سے باہر پناہ لے چکے تھے۔ حیدر رضا جیسوی جیسے معززین کی آواز کبھی سنائی نہ دیتی تھی۔

یکایک ۱۹۱۸ء میں ترکوں نے برطانوی اتحادیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ جس سے اسلامیان ہند کے دلوں پر ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ اور یہ ہیجان اور زور پکڑ گیا جب برطانیہ نے لڑائی میں امداد لینے کے لئے مسلمانوں سے جو وعدے کئے تھے۔ ان کی خلاف ورزی علی الاعلان ہونے لگی۔ مسلمانوں سے برطانیہ کا صاف اور صریح وعدہ تھا کہ ترکی سے کوئی مذہبی لڑائی نہیں ہے۔ جنگ میں فتح پانے کے بعد برطانیہ اور اس کے اتحادی ترکی سے کوئی زیادتی نہیں کریں گے۔ اس کے ملک کا کوئی حصہ اس سے علیحدہ نہیں کریں گے بلکہ اس کے علاقوں کو جوں کا توں رہنے دیں گے۔ ادھر عربوں سے اندرونی وعدہ یہ تھا کہ لڑائی میں ترکی کے خلاف مدد کریں گے تو ترکوں کی شکست کے بعد عرب کی ایک علیحدہ ریاست بنا کر شریف مکہ کو اس کا بادشاہ بنائیں گے۔ اسی بناء پر شریف مکہ اور اس کے بیٹوں نے عربوں کے لشکروں سے برطانیہ کی امداد کی تھی۔ لیکن جب ترکوں نے ہتھیار ڈال دیئے تو برطانیہ نے عام مسلمانوں سے کئے گئے وعدہ کا کچھ خیال کیا اور نہ عربوں سے کئے گئے وعدوں کو اس بات کے قابل سمجھا۔ عرب کے مختلف ٹکڑے کر دیئے گئے (عراق، شام، فلسطین، اردن، حجاز)

عراق اور اردن میں شریف مکہ کے بیٹوں فیصل اور عبداللہ کو علی الترتیب بادشاہ بنا دیا گیا اور ان پر برطانیہ کا انتداب قائم ہوا۔ شام پر فرانس کا انتداب قائم ہوا۔ فلسطینی علاقوں میں بعد میں آکر آہستہ آہستہ وطن یہود بنانے کے لئے زمین خرید خرید کر یہودیوں کو آباد کیا جانے لگا۔ کیونکہ یہودیوں سے بھی وعدہ کیا جا چکا تھا کہ جنگ جیتنے کے بعد ان کے صلے میں یہودیوں کی علیحدہ ریاست بنائی جائے گی۔ یہ سلطنت ۱۹۴۸ء میں آخر کار بین الاقوامی سیاست کی جولاگاہ بن کر قائم ہوئی۔

لیکن مجھے ۱۹۱۸ء اور ۱۹۱۹ء کے زمانے کے حالات عرض کر کے ۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۱ء تک پہنچنا ہے تاکہ میرے محترم رفیق سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی سیاسی زندگی کا تذکرہ شروع کیا جا سکے۔

جشن فتح

۱۹۱۸ء میں ترکی کی شکست کے بعد کرسمس کے دنوں میں جشن فتح منانے کے لئے انگریزی حکومت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف سے اعلان ہوا۔ حکومت ہند نے جشن منانے کا فیصلہ کیا اور ہر شہر میں جشن منانے کا فیصلہ کیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ برطانیہ کی فتح سے جو دبدبہ قائم ہو چکا ہے۔ اس کو اور زیادہ لوگوں کے دلوں میں بٹھایا جائے۔ اور ان پر فاتحانہ ہیبت طاری کی جائے۔ چونکہ سرکار پرست طبقہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں کافی صاحب اثر تھا اس لئے ان کے شمول سے عوام بھی جشن فتح میں شامل ہوں گے۔ اس طرح عوام اور خواص متاثر ہوں گے اور برطانیہ کی وعدہ خلافیوں کے باوجود اس کے خلاف کوئی آواز بلند نہ ہو سکے گی۔

مولانا محمد علی جوہر کی گرفتاری

ہندوستان میں مقتدر آوازیں ایسی تھیں جو ابتدائے جنگ میں ہی ترکوں کے حق میں اٹھ چکی تھیں۔ سب میں مقتدر آواز مولانا محمد علی جوہر کی تھی جنہوں نے اپنے انگریزی اخبار کامریڈ میں OF TURKY VOICE کے عنوان سے ایک مضمون لکھ کر ۱۹۱۴ء میں ہی کہا تھا کہ ترکوں کے لئے برطانیہ کا سابق رویہ جو ۱۳-۱۹۱۲ء کی جنگ بلقان اور ۱۴-۱۹۱۳ء کی جنگ طرابلس میں اختیار کیا گیا تھا۔ اس کے سوا اور کوئی راہ ہی نہیں چھوڑتا تھا کہ وہ جرمنی کے ساتھ مل کر قسمت آزمائی کرتے۔ مولانا محمد علی جوہر اور ان کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی کو اس مضمون کی بناء پر نظر بند کر دیا گیا تھا۔ ۱۹۱۸ء میں اور ۱۹۱۹ء میں بھی نظر بند رہے۔

جشن فتح کا بائیکاٹ، علمائے دہلی کی اپیل

دسمبر ۱۹۱۸ء میں حکومت ہند کی منشاء کے خلاف آواز اٹھانا ایک کٹھن کام تھا۔ لیکن دہلی میں علماء نے آواز اٹھائی اور گو اس وقت تک کوئی جمعیت قائم نہ ہوئی تھی تاہم مختلف علماء کے نام سے اس اپیل کا شائع ہونا ہی ایک دلبرانہ قدم تھا کہ مسلمانان ہند جشن میں شامل نہ ہوں کیونکہ ترکی فتح پر جشن منانا مسلمانوں کو زیبا نہیں ہے اس اپیل کا غیر متوقع اثر ہوا۔ اور جگہ جگہ مسلمانوں نے جلسے کر کے لوگوں کو علماء کے اعلان سے روشناس کرایا اور ان کو تاکید کرائی کہ وہ جشن فتح میں شریک نہ ہوں۔ یہ برطانیہ اور ان کے ساتھیوں کے لئے جشن کا دن ہے لیکن ترکوں کی شکست کے باعث مسلمانوں کے لئے رنج و غم کا دن ہے۔

مجھے تو دسمبر ۱۹۱۸ء میں ہی بٹالہ کی جامع مسجد کے جلسہ میں لوگوں کے سامنے ایک مقالہ پڑھ کر علماء کی تائید کا موقع ملا اور میری سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔ لیکن حضرت شاہ جی ان دنوں ابھی تعلیم دینیات میں مصروف تھے اور مذہبی اور اصلاحی تقاریر کی ابتداء کر چکے تھے۔ لیکن سیاست کی طرف متوجہ نہ تھے۔

رولٹ بل پر کانگریس کا احتجاج

ہندوؤں نے ۱۹۱۸ء میں کوئی خاص توجہ نہ دی۔ سوائے اس کے کہ جب مرکزی اسمبلی میں رولٹ بل پیش ہوا تو انہوں نے مخالفانہ تقریریں کیں۔ اس قانون کے تحت نظر بندی کے اختیارات بھی حاصل کئے جا رہے تھے۔ اور مقدمات چلاتے وقت ملزموں کو وکیل کرنے یا اپیل کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اس لئے اس قانون کے خلاف نہ صرف منتخب نمائندوں نے ہی اعتراض کیا بلکہ نامزد ہندو نمائندوں نے بلکہ سر سنکری تاشیر جو گورنمنٹ آف انڈیا میں وائسرائے کی مجلس انتظامیہ کے ایک رکن تھے اپنے عہدے سے استعفیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دے دیا۔ ان تقریروں کے اخبارات میں چھپنے سے ملک کے کونے کونے میں پراپیگنڈہ ہوا اور لوگوں میں حکومت کے خلاف جذبہ ابھرا۔

گاندھی جی افریقہ میں وہاں کی حکومت سے ٹکر لے کر ہندوستان واپس آگئے۔ وہاں امتیازی قوانین کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے وہ خود جیل میں گئے اور وں کو بھی قانون کی پرامن مخالفت پر آمادہ کیا وہ جنوبی افریقہ کی کارکردگیوں کے باعث ہندوستان میں کافی شہرت حاصل کر چکے تھے۔ یہاں آکر انہوں نے رولٹ بل کے خلاف احتجاج کے طور پر ۶ اپریل ۱۹۱۹ء کو ہڑتال منانے کا اعلان کیا۔ آل کانگریس نے ان کی تائید کی جگہ جگہ کانگریس کمیٹیاں بنا کر ۶ اپریل ۱۹۱۹ء کو ہڑتال کر کے جلسے کرنے اور ان میں رولٹ بل کے خلاف احتجاج کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ قصہ مختصر ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال امرتسر میں سرگرم کارکن پیدا ہوئے۔ حکومت نے ان دونوں کو ۶ اپریل سے پہلے ہی گرفتار کر لیا۔ لوگوں میں ہیجان برپا ہوا۔ ہندو مسلمان اکٹھے ہو کر ڈپٹی کمشنر کی کوٹھی کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ راستے میں پل تھا جس سے گزر کر کوٹھی کی طرف جانا تھا۔ یہاں پولیس نے راستہ روکا اور حسب ہدایت ان کو سول لائنز کی طرف جانے نہ دیا۔ لوگ اپنے ہر دلعزیز لیڈروں کی رہائی کا مطالبہ کرنے جا رہے تھے۔ مگر پل پر ہی گولی چل گئی۔ کئی لوگ مارے گئے۔ اور کئی زخمی ہوئے۔ لوگ لاشوں اور زخمیوں کو لے کر ہال بازار میں داخل ہوئے۔ جوش و خروش بڑھ چکا تھا۔ گرم جوش لوگ تشدد پر اتر آئے۔ سرکاری عمارتوں اور بنکوں وغیرہ کو جلانا شروع کر دیا۔ کوئی انگریز مل گیا تو اس پر بھی حملہ کیا۔ بعض قتل بھی ہوئے۔

امرتسر کی خبروں نے دوسری جگہوں پر بھی اثر کیا۔ قصور، لاہور، گوجرانوالہ اور لائلپور وغیرہ میں بھی تشدد ہوا۔ ان سب جگہوں پر مارشل لاء نافذ کر دیا گیا جس کے تحت بعد میں کئی جگہوں پر معزز کارکنوں پر مارشل لاء کی عدالتوں میں مقدمات چلائے گئے۔

واقعہ جلیانوالہ باغ

لیکن سب سے زیادہ اشتعال انگیز حادثہ جلیانوالہ باغ امرتسر میں ہوا۔ یہ باغ شہر کے درمیان میں واقع تھا۔ کوتوالی سے جنوب کی طرف کچھ فاصلہ پر اس کا آمد و رفت کا علاقہ نہیں تھا۔ اس باغ میں جلسے ہوا کرتے تھے۔ مارشل لاء ہو جانے کے باوجود ایک ہفتہ تک شہر میں حکومت اپنا نظام قائم نہ کر سکی۔ باغ میں ہر روز جلسے ہوتے تھے اور لوگوں کو صورت حال سے آگاہ کیا جاتا تھا۔ اور پرامن رہنے کو بھی کہا جاتا۔ کیونکہ کارکن حضرات تشدد کو درست نہیں سمجھتے تھے اور گاندھی جی نے پرامن رہنے کی ہدایت کی تھی۔ ۱۳ اپریل اتوار کے روز بیساکھی کے دن امرتسر میں خاص ہجوم تھا لوگ دیہات سے بھی بڑی تعداد میں آئے تھے۔ جلیانوالہ باغ میں جلسہ ہو رہا تھا۔ حاضری معمولاً بھی غیر معمولی ہوتی تھی۔ لیکن بیساکھی کے دن غیر معمولی ریکارڈ بھی مات ہو گیا۔ لیفٹیننٹ گورنر لارڈ اڈوائر کی ہدایت کے مطابق جنرل ڈائر فوج کا ایک دستہ لے کر شہر میں آیا۔ اس نے کوتوالی کی طرف بڑھ کر عام آمد و رفت کا راستہ روکا اور آگے بڑھ کر کوئی تنبیہہ کئے بغیر فوج کو گولی چلانے کا حکم دے دیا۔ جب تک گولیاں ختم نہ ہو گئیں فائر ہوتے رہے۔ ہزاروں زخمی اور سینکڑوں قتل ہوئے۔ بھاگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوڑ میں نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ لوگ مکانوں اور دیواروں کو پھاند کر بھاگنے لگے۔ لیکن وہ سب سے زیادہ تختہ مشق ستم ہوئے ڈائر اور اس کے فوجی واپس چلے گئے اور لوگ بھی ہراساں ہو کر جدھر رخ ہوا بھاگ گئے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری پر حادثہ کا ردِ عمل

اس قتل عام نے نہ صرف امرتسر کے شہر اور ضلع میں آگ لگا دی بلکہ قرب و جوار کے لوگوں میں بھی اپنے مرنے والوں اور زخمی ہونے والوں کی خبر سن کر غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ اخبارات میں جب اس قتل عام کی خبر پھیلی تو سارے ملک بلکہ ساری دنیا میں انگریزی تشدد کے خلاف گہرا جذبہ پیدا ہوا۔ نوجوان سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی رہائش گاہ بھی کوتوالی اور جلیانوالہ باغ کے قریب ہی تھی۔ اس سانحہ جانکاہ سے طبیعت متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتی تھی۔ ترکوں کی شکست کے بعد خود اپنے گھر میں انگریزی مظالم کی داستان ایک چشم دید واقعہ بن کر سامنے تھی۔ جوشیلی طبیعت، تڑپنے والا دل، تڑپانے والی زبان کب تک خاموشی اختیار کرتی۔ قسمت نے پہلے ہی کرسمس کے دنوں میں کانگریس کا سالانہ اجلاس امرتسر میں کرانے کا فیصلہ کر چھوڑا تھا۔ اب انگریزی حکومت کے سامنے یہ سوال تھا کہ آیا کانگریس کا اجلاس امرتسر میں ہونے دیا جائے یا نہ؟ اجلاس کا فیصلہ دسمبر ۱۹۱۸ء میں ہو چکا تھا۔ اس لئے اسے خود ساختہ فتنہ سے تعبیر نہ کیا جا سکتا تھا۔ ہندوستان کے چپہ چپہ میں جلیانوالہ باغ کے مظالم کی داستان پہنچ چکی تھی۔ دنیا کی رائے عامہ بھی برطانیہ کے خلاف تھی۔ اس لئے اس اجلاس کو روکا نہ جا سکا۔ اور وزیر ہند نے اعلان کر ہی دیا کہ کانگریس کا سالانہ اجلاس امرتسر میں ہونے دیا جائے گا۔ اور اسے روکا نہیں جائے گا۔

کانگریس، مسلم لیگ اور خلافت کمیٹی کا مشترکہ اجلاس

آخر دسمبر ۱۹۱۹ء میں کانگریس کے اجلاس میں شامل ہونے کے لئے لوگ راس کماری اور سالایہ تک کے علاقوں سے آئے مرد، عورتیں اور بچے خون کے نشانات دیکھتے پھرتے تھے۔ جو آٹھ ماہ گزرنے کے باوجود دیواروں پر مل جاتے تھے۔ اور انہیں جو سرخی مائل مٹی نظر آتی اسے اٹھا کر ساتھ لے جاتے تاکہ ظلم و ستم کی داستان کا یہ نشان ان کی اپنی یاترا کی یاد دلاتا رہے اور آنے والی نسلوں کو بھی گرماتا رہے۔

کانگریس کے ساتھ مسلم لیگ کا اجلاس بھی امرتسر میں ہوا۔ حکیم اجمل خان صدارت فرما رہے تھے۔ لیکن اس اجلاس کی رونق میں اس وقت گراں قدر اضافہ ہوا۔ جب یہ خبر آئی کہ چھندواڑہ جیل سے رہا ہو کر علی برادران امرتسر میں آگئے ہیں اور وہ اجلاس میں شامل ہوں گے۔ دو گرانڈیل ہستیاں آئیں جن کے قد بلند و بالا سے مقابلہ کرنے والا کوئی سرو بھی نظر نہ آیا۔ غلغلہ ہائے تکبیر سے ایوان گونج اٹھا۔ تحفظ خلافت کی آوازیں بلند ہونے لگیں لیکن ابھی تک خلافت کمیٹی کی باقاعدہ تشکیل نہ ہوئی تھی۔ انہیں دنوں ہمارے شاہ جی بھی ان بڑے بڑے اجتماعات میں شامل ہو کر درس سیاست اور اپنے مستقبل کی بنیاد استوار کرنے لگے۔

ابھی کچھ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ جمعیت العلمائے ہند اور کانگریس نے بھی اعلان کیا کہ قومی کام کی ترقی کے لئے سرکاری ملازموں کو اپنی ملازمتیں، وکیلوں کو وکالتیں طالب علموں کو مدرسے اور دیگر کاروبار

© rasailojaraid.com

والوں کو اپنے کاروبار چھوڑ کر قومی تحریک کا کام کرنا چاہیئے۔

ہندوؤں نے آزادیٔ ہند کا نام اس لئے لیا کہ ہندوستان آزاد ہو۔ انگریزوں نے ان کو مسلمانوں کے خلاف اٹھا کر اپنے بعد دوسرے نمبر پر سیاسی اقتدار دے دیا تھا۔ اور ان کو ۱۸۵۷ء کی سیاسی رہنمائی اور جنگ آزادی کی سرکردگی کی سزا میں سب سے پیچھے دھکیل دیا تھا مگر یہ قدرت کا انتظام تھا کہ وہی ہندو اب سیاسی طور پر بالغ ہو کر انگریز سے آزادی کا خواہاں اور اس سے جنگ لڑنے پر آمادہ ہوا۔ مسلمانوں کے دل کی بات اپنائی۔ اس نے بھی تحفظ خلافت اور حکومت ترکی کی تائید و حمایت کو اپنا ورد زبان بنایا۔ دوسری طرف مسلمان تحفظ خلافت ترکیہ اور العرب کی آزادی کے لئے بے قرار تھا۔ لیکن اس کے لئے براہ راست کوئی راستہ نہ تھا کہ وہ یہ کام کر سکتا۔ داناؤں نے یہی راہ سوچی کہ جب تک ہندوستان آزاد نہ ہو جہاں سے انگریز کو سب سے زیادہ سامان جنگ اور فوج و رسد ملتا ہے تب تک ترک سلامت نہیں رہ سکتے ہیں اور نہ عرب اور نہ دیگر ممالک اسلامی اس لئے انہیں بھی خلافت اور حفاظت ممالک اسلامی کے ساتھ آزادیٔ ہند کو اپنا قریبی مسلک بنانا پڑا۔

تحریک ہجرت

لیکن ان دنوں ایک اور تحریک شمالی ہند میں نمایاں ہوئی۔ وہ تحریک ہجرت تھی۔ امیر امان اللہ خان والیٔ افغانستان نے مئی ۱۹۱۹ء میں مارشل لاء کے دنوں میں ہی سرحد ہندوستان پر حملہ کر دیا اور انگریزی حکومت نے زیادہ لڑنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ بلکہ افغانستان کے ساتھ نرم شرائط پر صلح کر لی تاکہ ہندوستان کا اندرونی انتشار اور افغانستان کی بیرونی یلغار مل کر زیادہ مشکلات نہ پیدا کریں۔

عطاء اللہ شاہ بخاری اور تحریک ہجرت

کچھ علماء اور کارکنوں نے جن میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری بھی شامل تھے تحریک ہجرت کی تائید کی۔ سرحد اور پنجاب میں اس تحریک کو بہت رسوخ حاصل ہوا۔ اس تحریک کے سلسلہ میں شاہ جی کی تقریر دلی دروازہ کے باغ لاہور میں ہوئی جس میں انہوں نے ہجرت پر تقریر کی۔ جوانی کا عالم تھا۔ زبان ہر حرف کو اس کے مخزن سے نکالتی تھی قرأت پر قاری وجد کرتے تھے ترجمہ کرتے تو عالم سر دھنتے تھے۔ اور تفسیر فرماتے تو عالم بھی جھوم اٹھتے تھے۔ ترکوں پر انگریزوں کے مظالم کا ذکر کیا۔ عرب کے حصے بخرے جلیانوالہ باغ قید و بند کی صعوبتیں پھر ہجرت کے متعلق آیات کی تلاوت

"بے شک وہ لوگ جن کا خاتمہ فرشتے اس حالت میں کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ستم توڑنے والے ہوں۔ تو ان سے کہیئے کہ تم کس حال میں تھے؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اس زمین میں کمزور کر دیئے گئے تھے تو فرشتے دریافت کرتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین لمبی چوڑی نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے۔ پس ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری بازگشت ہے۔ سوائے ان کے جو مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے بے بس ہوں کہ وہ کوئی حیلہ نہ کر سکیں اور نہ کوئی راستہ پائیں۔ پس قریب ہے کہ خدا ایسے لوگوں سے درگزر کرے اور خدا بڑا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

در گزر کرنے والا بخشنے والا ہے"

اور جب شاہ نے جی ایک طرف ہندوستان میں انگریزی حکومت کے ظلم و تشدد اور دوسری طرف ترکوں اور عربوں سے اس کی بے انصافیاں، وعدہ خلافیاں اور ستم آرائیاں اور تیسری طرف امان اللہ خاں کی اسلام دوستی اور مہاجرین کے لئے خوش آمدید اور ان کی آبادکاری کے لئے اراضی اور کاروبار مہیا کرنے کے اعلانوں کا ذکر اپنے مخصوص انداز میں کرتے ہوئے کہا۔

"اور جو شخص راہ خدا میں ہجرت کرے گا تو وہ زمین پر بڑی آسائش اور کشائش پائے گا۔ اور جو شخص خدا اور رسول کے لئے اپنے گھر سے ہجرت کر کے نکلے گا پھر اسے موت آئے گی تو یقیناً اس کا اجر خدا کے ذمے ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے"

دنیا کے ان حالات اور اللہ کے ارشادات کو سن کر کتنوں کے دل نہ چاہیں گے کہ وہ ہندوستان کو چھوڑ کر امان اللہ کے دارالسلطنت کابل کی طرف ہجرت کریں۔ اور ایمان والوں نے ہجرت کی۔ لیکن ان کے ہمراہ سرکاری کارندے بھی کثیر تعداد میں تھے۔ انہوں نے کابل پہنچ کر مہاجرین کو امان اللہ خاں کے پروگرام پر نہ چلنے دیا بلکہ فوری جہاد کا پروگرام پیش کر کے حکومت انگریزی کی خدمت کی اور امان اللہ خاں اور مہاجرین کی حقیقی آرزوؤں کو پورا نہ ہونے دیا۔

انہی دنوں جب سرکاری ملازم ملازمتوں کو چھوڑ کر نکلے۔ وکیلوں نے وکالت چھوڑ دی۔ سرکاری مدرسوں میں پڑھنے والوں نے مدرسے چھوڑے اور اپنے مستقبل کو جواب دے کر تحریک آزادی میں شامل ہو کر مصائب جھیلنے پر آمادہ ہوئے تو دینیات کے مدرسوں میں پڑھنے والے جاری وساری تحریک سے کس طرح بے پرواہ ہو سکتے تھے۔ اور جب لوگ ہر طرح کا کام چھوڑ کر ہجرت کر رہے ہوں حتیٰ کہ بیویوں کو طلاقیں دے کر آزاد کر رہے ہوں تاکہ خود آزادی کی جنگ بالکل آزاد ہو کر لڑ سکیں۔ تو شاہ جی اپنی طالب علمی کے دور کو کس طرح جاری رکھ سکتے ہیں۔ یہی سبب تھا کہ مشکوٰۃ شریف کا سبق پڑھتے پڑھتے طالب علمی کو طلاق دینے کی نوبت آئی۔ ان کے نقص مرتب کرنے والوں نے بعض اوقات ان کے غیر مستند عالم ہونے پر نکتہ چینی کی ہے۔ لیکن جس نے مشکوٰۃ شریف کا سبق باقاعدہ بھی لے لیا ہو وہ ایسا کوئی ان پڑھ تو نہیں رہ سکتا کہ اس پر انگشت نمائی کی جاسکے۔ (۱) جنگ آزادی کے دور میں فرصت کا وقت جیل میں ہی ملتا تھا۔ یا ریل گاڑی میں۔ شاہ جی کے لئے جیل میں ہی وقت ہو سکتا تھا جہاں ان کے حجۃ اللہ البالغہ کا قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن شاہ جی حدیث و تفسیر کا مطالعہ کرتے رہے اور ان کی بے قاعدہ تعلیم اور بزرگوں سے خلوت اور جلوت میں اور برسر اجلاس وعظ وارشاد سن کر جو کچھ حاصل کیا اس کا خلاصہ قاری محمد طیب صاحب نے ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

"جہاں تک ان کے بیانات سے مجھے استفادہ کا موقع ملا ہے محسوس ہوتا ہے کہ قرآن ان کے سامنے کھلا

(۱) انہوں نے کسی مدرسہ سے سند حاصل نہیں کی مگر حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ سے بخاری شریف تک دینی تعلیم مکمل کی۔ ہندوستان میں ایسی کئی مثالیں اور بھی موجود ہیں۔ جبکہ ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ بڑے بڑے مدرسوں سے سندِ فراغت حاصل کرنے والے جہادِ آزادی میں حصہ لینا تو درکنار مسلمانوں کے خلاف انگریز کے آنریری مخبر بنے رہے۔ (کفیل)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور وہ اس کے بلیغ اور موجز جملوں کی مجسم شرح و تفسیر بنے ہوئے ہیں۔ نیز انکے الفاظ ہیں۔

"ان کی خطابت محض واعظانہ رنگ کی خطابت نہیں بلکہ ان میں عالمانہ انداز بھی شامل ہوتا ہے"

دعوتِ فکر

مرزائیوں کو میں دعوت فکر دیتا ہوں وہ غور کریں اور اپنے مدعی نبوت اور اسکے خاندان کی فرنگی نوازی دیکھیں کہ یہ انگریز کا درباری نبی کس طرح ہندوستان میں انگریز افسروں کے دربار میں اپنی اور اپنے باپ دادا کی خدمات کے حوالے سے اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے لجاجت منت و سماجت اور سراپا حاجت بن کر یقین دہانیاں کراتا ہے۔ ظالم تم نے اگر نبوت کا دعویٰ کر ہی لیا تھا اور تم اپنے تئیں نبی بن ہی بیٹھے تھے تو کم از کم اس نام و منصب کا وقار ہی قائم رکھا ہوتا اور فرنگی کی چوکھٹ پر جبہہ سائی نہ کرتے۔ اپنی جبین نیاز کو عدو اللہ فرنگی کی خاک نجس سے آلودہ نہ کرتے:

"اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا"

تجھ سے تو سابق کذاب و دجال مدعیان نبوت بہتر تھے جنھوں نے دعوائے نبوت کے بعد مسلمان بادشاہوں کے درباروں کی راہ تک نہ دیکھی۔ ان کا بھی ایک وقار تھا مگر تجھ سا بے حمیت تو خطۂ ارضی پر کوئی دوسرا نہیں

------ خطاب ------

بانی احرار! مؤسس تحریک تحفظ ختم نبوت

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری

احرار تبلیغ کانفرنس قادیان ۲ ، اکتوبر ۱۹۳۴ء

© rasailojaraid.com